OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

آگ کا دریا: فلسفیانہ مباحث کی بہترین مثال (فلسفہ کے مبادیات کی پیشکش کا خوبصورت اظہاریہ)

Aag Ka Darya: The best example of philosophical debate (a beautiful expression of the presentation of the principles of philosophy)

Iqra Ghaffar
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan.

Prof. Dr. Mumtaz Khan Kalyani
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan.

Received on: 06-04-2025 Accepted on: 08-05-2025

Abstract

Qurat-ul-Ain Haider is an important name in the Urdu literary world and his literary identity as a novelist is permanent. Aag Ka Darya is a masterpiece of Qurat-ul-Ain Haider that has made its identity in many respects, but a great literary work is one whose every reading introduces the reader to new aspects. Aag Ka Darya is a novel written on a large canvas with many themes. How is the novelist introduced as a philosopher in Aag Ka Darya and how are philosophical concepts and thoughts directly made the subject? This article has tried to find those themes that are present in the novel as the history of philosophy and directly make the principles of philosophy their place in the form of fiction. And it has been tried to see to what extent the author has succeeded in presenting philosophy in the form of fiction.

Keywords: Novel, Philosophy,Themes, Qurait ul Ain haider, History

"آگ کا دریا" قرۃ العین حیدر کی ایسی تخلیق ہے جو اردو کے ادبی منظر نامے میں پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا اور یہی ناول انگریزی زبان میں ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ خود مصنفہ یعنی قراۃ العین حیدر نے ہی اس کو انگریزی میں بھی تحریر کیا۔ آگ کا دریا ایک بڑے کینوس پر ترتیب دیا گیا متعدد موضوعات کا حامل ناول ہے۔ جس میں وقت ایک بہت بڑا موضوع ہے۔ اور اسی وقت کے دھاگے میں پروئے ہوئے کئی کردار ناول کی فضا میں سانس لیتے ہیں ابھرتے ہیں، ڈوبتے ہیں اور زمان و مکاں کا تعین کرتے ہوئے متعارف ہوتے ہیں۔ یہ کردار مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے افکار و نظریات ناول میں مکالموں کی صورت میں موجود ہیں مختلف زمانوں سے وابستہ ناول کے یہ کردار ہر عہد میں ایک جیسے ناموں کے ساتھ ہی موجود ہیں یعنی ماضی میں اگر گوتم کا کردار، ہری شنکر کا کردار، چمپا کا کردار، کمال رضا کا کردار کہیں قاری سے ملاقات کرتا ہے تو یہی کردار حال اور مستقبل کے زمانوں میں بھی قاری سے روبرو ہوتے ہیں۔ مگر ان کرداروں کے نظریات اور افکار میں واضح تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ فکشن نگار متعدد سطحوں پر خود کو بطور فلسفی بھی پیش کرتا ہے۔ ہر فکشن نگار کے ہاں فلسفے سے جڑت یا فلسفے سے لگاؤ کا اظہار نہیں ملتا مگر اردو ادب میں کچھ فکشن نگار ایسے بھی موجود ہیں جو نہ صرف فلسفے سے اور اس کی روایت اور مبادیات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنی تخلیقات میں کرداروں کے ذریعے فلسفے کو بطور موضوع برتتے ہیں۔ یہی معاملہ قرۃ العین حیدر کے ہاں آگ کا دریا کی صورت میں موجود

ہے۔ قرۃ العین حیدر کی فلسفے کے علم سے واقفیت اور دلچسپی کا اظہار (آگ کا دریا کی صورت میں) ہوتا ہے۔ جہاں وہ نہ صرف ایک مخصوص خطے کی فلسفیانہ روایت سے واقف نظر آتی ہیں بلکہ وہ فلسفیانہ روایت اور فلسفے کی اہم مبادیات کو بھی ناول کے کرداروں کی صورت میں پیش کرتی ہیں۔ فلسفے کا علم ایک خاص قسم کی تثلیث سے پیوستہ رہتا ہے۔ جس میں خدا، کائنات اور فطرت کے متعلق سوالات کے جواب تلاش کرنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور فلسفی مابعد الطبیعاتی تصورات کی بجائے منطق اور عقل کو استعمال کر کے نتائج نکالنا اہم سمجھتا ہے۔ فلسفہ ہر شے کو تشکیک کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور سچائی کی تلاش میں فلسفی سر گرداں پھرتا ہے۔ ناول میں موجود کرداروں کا عمل بھی اسی تشکیک اور سوال و جواب کی کیفیت سے دوچار ہے اور ان کرداروں کے تعارف کے دوران بھی ناول نگار یہ واضح کرتا ہے کہ یہ کردار فلسفے کے طالب علم ہیں اور ان کرداروں میں اولین نام گوتم اور ہری شنکر کے ہیں۔ گوتم اور ہری شنکر کے درمیان مکالمے سے پہلے فلسفے کے موضوع اور مضمون کو قدیم عہد میں کیا حیثیت حاصل تھی۔ گوتم جو ہر خطے اور علاقے کی سیر کرنے کے بعد علم حاصل کرتا ہوا آخری مراحل میں پہنچتا ہے۔ تو تب بھی وہ (ناول کے ابتدائی صفحات میں) خوفزدہ دکھائی دیتا ہے۔

گوتم کے کردار کا فلسفے کے طالب علم کے طور پر تعارف ملاحظہ کیجئے:

"اس کا باپ بہت دولت مند آدمی تھا اور وہ اس کی بہن کا بیاہ حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے دار سے ہوا تھا۔ یہ اس کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اب ساری دنیا اس کے قدموں میں بکھری پڑی ہو گی۔ وقت اس کا اپنا تھا۔ فراخ دلی کے ساتھ وہ فلسفوں کو پرکھتا اور سوچتا مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ کیا تھا کہ چیزوں سے وہ خوفزدہ تھا۔"(۱)

گوتم جو تحصیل علم کے لیے ہر قریہ کی خاک چھانتا ہے اور یہ علم ہی اس کو مختلف علاقوں یا خطوں کی سیر کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اسی کردار کے گھومنے پھرنے کے توسط سے مصنفہ پاٹلی پتر کے شاہی خاندان کا بھی جائزہ پیش کرتی ہے۔ جہاں جین عالموں کو بہت سراہا جاتا تھا۔ اور اس کے برعکس ایک اور صورتحال بھی موجود تھی جو منطقی بنیادوں پر زندگی کے معاملات کی گتھی سلجھانے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ ایسے گروہ کس قسم کے نظریات کے حامل تھے ان کا بیان ناول میں کچھ یوں ملتا ہے:

"گوتم نے سوچا۔ ان گنت منطقی گنگا وادی میں گھومتے پھرتے تھے ماہرین کلام روایتی مذہب پر حملہ کرتے آرا اور اشیاء کی اضافیت کو ثابت کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مابعد الطبیعاتی نظریات کے حامل تھے۔ اکثر مادہ پرست تھے جین اور بودھ فلسفی بیک وقت یوگی بھی تھے اور سوفسطائی بھی۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کی آمد کے وقت ۶۲ مدرسہ ہائے فکر اپنی مختلف شاخوں سمیت پہلے سے موجود تھے خیالات کی اس سلطنت میں انہوں نے بھی جو شاکیہ منی سدھارتھ کہلائے، فلسفے کی ایک اور نو آبادی قائم کر دی تھی۔"(۲)

یہ ایک ایسا قدیم دور تھا جب جین مت اور بدھ مت مذہب کی تبلیغ کے ساتھ فلسفے کی بھی ایک مضبوط اور مستحکم روایت موجود تھی۔ گوتم اور ہری شنکر دونوں کہانی میں بطور طالب علم موجود ہیں۔ مگر دونوں کے مکتبہ فکر علم کی تحصیل کے لیے منتخب کیے جانے والے علاقوں اور مدارس کی وجہ سے بالکل مختلف ہیں۔ گوتم اور ہری شنکر کا مکالمہ قدیم عہد میں خالص فلسفیانہ نہج پر مبنی ہے۔ جہاں اوازیں اور چیزوں کے ناموں کے

درمیان طے شدہ تعلق پر بھی گفتگو موجود ہے۔اور دکھ، وقت، دل اور ذہن ہر انسانی زندگی میں کس قدر آفاقیت کے درجے پر ہیں۔ان کے حوالے سے بھی پر مغز مکالمہ بھی ناول کا جاندار حصہ ہے۔زندگی کا مقصد تلاش کرنے کی دھن میں گوتم اور ہری شنکر کو اپنے جیسے طالب علموں کے دیگر گروہ بھی ملتے ہیں۔یہ کردار قدیم عہد کی تہذیبی اور فکری قدروں کی داستان سناتے ہیں۔چند اہم مختصر مکالمے ملاحظہ کیجئے:

"نام آوازوں کی ایک سشٹی ہے۔۔بھائی گوتم اور ہری شنکر کی آواز پر میں چونک اٹھتا ہوں کیونکہ یہی میرا نام ہے۔

جہاں میں پڑھتا تھا وہاں ہم لوگ فلسفے اور ساہتیہ کی بجائے گنت ودیا اور قانون اور طبیعات پر زیادہ دھیان دیتے تھے۔گوتم میں نے اندازہ لگایا کہ وقت بہت خوفناک چیز ہے کیا تم کبھی وقت کے خوف سے لرزے ہو؟۔۔۔۔۔۔۔"(۳)

اسی ضمن میں ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

"میں شراوستی میں پڑھتا ہوں۔کاشی کی پاٹ شالہ تو خالی مہاپنڈت تیار کرتی ہے۔۔۔۔۔۔

اور تم کیا بننا چاہتے ہو؟

یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔۔

تمہاری زندگی کا مقصد کیا ہے گوتم نیلمبر۔۔۔۔؟۔۔۔"(۴)

بدھ مت، جین مت اور ہندو مت فلسفے کے آغاز وارتقاء میں جو مباحث اور نظریات پیش پیش رہے اور فلسفے کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ان کا حوالہ براہ راست ناول میں موجود ہے جو مصنفہ کی گہری بصیرت اور علمیت کا معترف ہے۔ازلی اور ابدی تنہائی کا فلسفہ بھی ناول میں بار بار موضوع بنتا ہے۔جو انسانی زندگی کے فنا ہونے اور آغاز ہونے یعنی موت اور دنیاوی زندگی سے وابستہ ہے۔ناول کے کردار ابدی تنہائی کے فلسفے سے بخوبی واقف ہے۔اسی لیے وہ اس طرح کے جملے ادا کرتے ہیں کہ:

"ہم سب ایک دوسرے کے لیے ازلی اور ابدی اجنبی ہیں۔"(۵)

بھکش کا فلسفہ اور اس کے بالمقابل چلنے والی نئی ہوا جو دنیاداری کو تیاگ کر جنگل میں نوجوانوں کو بسنے کی طرف آمادہ کر رہی تھی۔اس کو ناول کے کردار ملک کو تاریخی رنگ میں رگنے کی ترکیب سے یاد کرتے ہیں۔اور فلسفے کے طالب علموں میں تیقن کی وہ سٹم موجود نہیں تھی جو ایک عام ویدوں پر یقین رکھنے والے آدمی کے ہاں موجود تھیں۔کپل کا نظریہ کیا تھا اور شاکیہ منی اس سے کس حد تک متاثر تھے اس حوالے سے مباحث بھی گوتم اور ہری شنکر کے مکالمے میں دیکھنے کو ملتے ہیں کپل کا نظریہ جو کہ مادیت پسندی پر مشتمل تھا اور خالص فلسفیانہ نظریہ تھا۔اس کا براہ راست اظہار دیکھیے:

"تمہیں ویدوں پر یقین نہیں رہا. جو تم نے یہ حلیہ بنایا ہے؟۔۔۔۔۔۔ بھکش کا فلسفہ اور تمہاری ساری پری بھاشا اپنشدوں میں موجود ہے۔ شاکیہ منی شروع سے آخر تک کپل کے نظریوں سے متاثر تھے۔خود بدھ کا لفظ وید سے نکلا ہے کوئی چیز خیالات کی دنیا میں نش کیول اور غیر متعلق نہیں ہے۔"(۶)

مذکورہ ناول کے ابتدائی صفحات فلسفیانہ مباحث سے مزین ہے بظاہر ناول کے ابتدائی حصے میں یہی دو کردار زیادہ تر گفتگو کرتے ہیں۔ مگر ناول کا یہ حصہ کئی فلسفیانہ مباحث کو عمدہ پیرائے میں کہانی کا حصہ بناتا ہے۔اور ناول نگار کی فلسفے کی تاریخ اور اس کی ماہیت کے حوالے سے فکری بصیرت کا پتہ دیتا ہے۔ مصنفہ نے نہ صرف ہندومت فلسفے کی تاریخ سے جڑے اہم کرداروں کے نظریات کو پیش کرنے کی بڑی جسارت کی بلکہ اپنے کرداروں کو بھی اسی رنگ میں ڈھال کر ہو بہو ویسا ہی پیش کیا جیسا کہ وہ اپنی ذہنی اور فکری پسماندگیوں کو خیر آباد کہتی اور روایت سے بغاوت کی طرف سفر کرتی زندہ اور جیتی جاگتی تصویریں تھیں۔ جو لفظ اور غیر لفظ کے فلسفے پر بھی مکالمہ کرنا جانتے ہیں الفاظ اور خیالات کے درمیان باہمی ربط سے بھی واقف ہیں۔ تحریر اور تقریر کا فلسفہ بھی ناول کا اہم موضوع بن کر ابھرتا ہے۔اور تقریر کے ابدی ہونے یا ازلی ہونے کے تصورات سے لے کر الفاظ کو ابدی قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں اس پر مفصل بحث ناول کے کردار پیش کرتے ہیں:

”لفظ بھی ابدی ہے۔۔ گوتم نے جواب دیا۔۔ اور اسی لیے ویدوں کو۔۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ الفاظ ہیں۔۔۔۔۔۔۔ کبھی رد نہیں کیا جا سکتا ہری شنکر نے نظریں اٹھا کر پوچھا۔۔ تم کیسے فلسفی ہو؟ جو الفاظ میں یقین نہیں رکھتے۔۔۔۔۔“(۷)

مادہ اور روح یا جسم اور روح بھی فلسفے کا مرغوب موضوع رہے ہیں اور فلسفے میں علت اور معلول کے ساتھ یہ بحث بھی پرانی ہے کہ مادہ پہلے ہے یا روح پہلے ہے اور دونوں میں کون سی شے وجود رکھتی ہے۔ کون سی شے حقیقت پر مبنی ہے اور کون سی شے غیر حقیقی کہلائی جائے گی۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دوئی کے تصورات یعنی Dualism اس مادہ اور روح کی بحث سے اخذ کیے گئے۔ مذکورہ ناول میں ان کو لفظ اور غیر لفظ کی بحث کی صورت میں پیش کیا گیا اور ہندو میتھالوجی میں لفظ اور غیر لفظ کے تصورات کو کچھ یوں پیش کیا گیا ہے:

”تم تعجب ہے اب تک بے ویدانت سے آگے نہیں بڑھے۔۔ انت کے آگے اور کیا ہو سکتا ہے۔۔

تم ہی بتاؤ

پرم آتما اور جیو آتما میں اوڈیا کی وجہ سے دوئی قائم ہے لہذا لفظ اور غیر لفظ دو برہما ہیں اور لفظ پر دھیان کر کے غیر لفظ کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ وہ غیر لفظ میں خود ہوں۔۔“(۸)

فلسفہ کی مبادیات انسان، زندگی اور کائنات کی تخلیق سے بحث کرتی ہیں۔ انسان کی زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ خدا کا وجود یا تصور خدا پر بحث و مباحثہ بھی فلسفے کی مبادیات کا اہم جز ہے۔ خدا، فطرت یا کائنات کی وسعت کیا ہے۔ یہ بھی فلسفیوں کا مرغوب موضوع رہا ہے اور ہر خطے اور ہر عہد میں فلسفے کی روایت میں یہ سوالات کثرت سے ملتے ہیں۔ مذکورہ ناول میں مصنفہ اپنے سوالات کو گوتم اور ہری شنکر کی زبانی بھی پیش کرتی ہیں۔ درزیل اقتباس اس کی بہترین مثال ہے:

”گوتم زندگی کا پھیلاؤ بہت عظیم ہے۔ اس وسعت سے بچتے رہو۔۔۔ کائنات۔۔۔۔۔۔ اور اس کی وسعت کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ کہاں جاتی ہے؟ ہم کہاں پیدا ہوئے؟ کس طرح اور کس وجہ سے زندہ ہیں؟ اور یہاں سے کہاں جائیں گے؟۔۔۔۔“(۹)

درج بالا اقتباس میں موجود سوالات فلسفے کے سوالات ہیں۔ جن کی تلاش میں ایک فلسفی سر گرداں رہتا ہے۔ ناول میں موجود کردار بھی فلسفی

کے روپ میں متعارف ہوتے ہیں اور مختلف خطوں کے فلسفہ ہائے علوم کو ناول میں پیش کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے اعتقادات کا خلاصہ بھی بیان کرتے ہیں۔ فلسفے میں مذہب یا مابعد الطبیاتی تصورات اور عقل یا منطق کے درمیان کشمکش یا تضاد شروع سے برقرار دکھائی دیتا ہے۔اس کا مفصل بیان بھی ناول میں متعدد جگہوں پر ملتا ہے۔ ناول نگار کرداروں کے توسط سے فلسفے کے علم میں حائل شدہ خلیج کو بھی واضح کرتی ہیں اور آفاقیت کے حامل موضوعات کو فلسفیانہ مباحث کے ذیل میں پیش کرنے کا انداز بھی اپناتی ہیں۔ جیسا کہ اپنشدوں کے فلسفے میں آزادی کا لامحدود تصور فطرت یا کائنات کی آزادی سے مشروط ہے۔اسی فلسفے کو ناول میں بھی بیان کیا گیا ہے یہ ناول نہ صرف فلسفیانہ سوالات اور موضوعات کو پیش کرتا ہے بلکہ کئی ایسے سوالات کے جوابات بھی قاری پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ خود ان کے جوابات تلاش کرے:

”اپنشدوں میں لکھا ہے کہ کائنات آزادی میں پیدا ہوئی ہے آزادی میں موجود رہتی ہے اور آزادی میں سمو جاتی ہے۔۔۔ وہی ابدیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آزادی اور ابدیت خود ایک اور قید نہیں۔؟“(۱۰)

گوتم نیلمبر جو براہمن زادوں کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا کردار ہے۔ وہ نہ صرف فلسفے کا طالب علم ہے بلکہ کئی اور علوم بھی حاصل کر چکا ہے۔ گوتم کا کردار کسی ایک علم تک محدود نظر نہیں آتا بلکہ وہ الہیات تمثیل، ادب، صرف و نحو، منطق، اخلاقیات کیمیا اور طبیعات جیسے مضامین سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں فکری رویے ہری شنکر سے یکسر مختلف ہیں۔اور وہ منطقی بنیادوں پر سچ کی تلاش اور جستجو میں مختلف خطوں میں گھومتا ہے۔ مگر گوتم کی طرز زندگی اس کے افکار سے یکسر مختلف ہے وہ دنیاداری کی لذتوں کو تیار کر جنگل میں خالص ایک طالب علم کی زندگی گزارتا ہے۔ جس پر عیش و عشرت کے سامان میں رہ کر زندگی گزارنا ممنوع ہے۔اس طرح کی گئی اور شرائط طالب علموں کے لیے طے کردہ تھی۔ جن میں سے ایک اور اہم شرط صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا بھی تھا۔ مگر ہری شنکر سے ملاقات کے بعد اس کے افکار میں بھی واضح تبدیلی آئی تھی۔ وہ کسی اور نہج پر سوچنے لگا تھا۔اس صبر وضبط کے دامن میں بھی حل چل پیدا ہوئی تھی۔ گوتم کے ذہنی افکار میں تبدیلی ملاحظہ کیجیے:

”یہ ایک واقعہ تھا کہ اب اس کا دل صرف و نحو میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ محض فن کے نظریات پر اور بہت کچھ پڑھے اور لکھے۔۔۔ قدم قدم پر جو سوالات ذہن کو الجھاتے ہیں ان کا کوئی ایک حل کھوجے۔۔ہری شنکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے معدومیت کے فلسفے سے بھی گوتم کو ڈر لگا۔ قدیم برہمنوں کا فلسفہ تھا۔ زندگی سے، موسیقی سے، زندہ رہنے کی لگن سے بھرپور لیکن اپنشدوں کی اداسی کو شاکیہ منی نے اور گہرا کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(11)۔“

فلسفے کی روایت کا مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ اپنشدوں کے فلسفے میں بھی کئی تغیرات رونما ہوئے۔اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان تغیرات کی بدولت کئی ادارے مدارس کی صورت میں سامنے آئے۔اور ان اداروں سے وابستہ طالب علموں نے گروہوں کی صورت میں بحث و مباحثہ کی محفلوں کا وجود قائم کیا۔ جہاں مختلف فنون و لطیفہ سے تعلق رکھنے والے طالب علم جمع ہوتے اور سیاست، ریاست، سماج، خدا، فطرت،

انسان، ادب، آرٹ اور موسیقی جیسے کم و بیش ہر علم کے حوالے سے گفتگو ہوتی اور تبادلہ خیالات کیا جاتا۔ ایسے ہی ایک عہد کا ذکر آگ کا دریا میں بھی موجود ہے۔ جب اپنشدوں کے فلسفے میں بدھ مت مکتبہ فکر کے عروج کا زمانہ آیا۔ مصنفہ اسی عہد سے وابستہ گوتم کے ہم عمر طالب علموں کے ایک گروہ کو متعارف کرواتی ہیں۔ جو گوتم کے جامعہ سے بھی وابستہ تھے اور بدھ مت مسلک کے پیروکار بھی بن چکے تھے۔ خدا اور طاقت کے تصور پر مباحث وجود میں آتے تھے۔ ریاست طاقت اور سیاست سے شروع ہونے والی بحث کو جسم اور روح کی مناسبت سے بھی دیکھا جاتا تھا اور اس کے لیے مہابھارت سے حوالہ بھی تلاش کیا جاتا اور مثال بھی پیش کی جاتی تھی۔ اس حوالے سے یہ مختصر اقتباس ملاحظہ کیجیے جہاں طاقت ریاست اور خدا کے تصور کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا گیا:

"ان محفلوں میں سیاسی موشگافیاں کی جاتیں۔ ریاست اور عدم ریاست میں کیا فرق ہے؟ راجہ اور پرجا میں کیا تعلق ہونا چاہیے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سکھ وتی وہ کیفیت ہے جن میں انسان کا جسم بھی اس کا اپنا نہیں اور ریاست اور سیاست کی حدود سے ماوراء ہو کر انسان یا جانور بن جاتا ہے یا خدا۔۔۔۔۔۔ ملکیت۔۔۔۔۔۔ یہ میرا ہے۔" (۱۲)

آگ کا دریا ہندو مائتھالوجی کی تاریخ کا عظیم بیانیہ ہے۔ جہاں ویدوں سے لے کر مہابھارت تک اور دیگر مذہبی شخصیات جیسا کہ سری کرشن، بھیم، سیتا، کیلاوستی کے لمبنی گرام کا سدھارتھ وغیرہ کا ذکر موجود ہے وہاں اس کے متوازی فلسفیانہ افکار و تصورات بھی ناول میں برابر دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہیں ہندو سلطنت کے مختلف ادوار کئی حوالوں سے (یعنی مذہبی، تہذیبی، ثقافتی، فکری اور علاقائی حوالوں سے) دکھائی ہوئی مصنفہ ایران کی سرزمین سے بھی قاری کو متعارف کرواتی ہیں۔ اور یہ تاریخی بیانیہ چاہے وہ ہندوستان کا ہو یا ایران کا ان کا بیان کرداروں کی زبانی ہوتا ہے بھاری بھرکم جنگوں خون کی ندیوں کی داستانیں یہی گوتم، ہری شنکر اور اکلنتیش جیسے کردار سناتے ہیں۔ اعتقادات کی بالادستی ہر زمانے اور ہر عہد کا خاص جزو معلوم ہوتی ہے جہاں ہری شنکر بھکنشو اور آہنسا کے اصولوں کا قائل نظر آتا ہے۔ وہیں گوتم اس کو بے پناہ عزت سے نوازتا ہے اور ہری شنکر جیسے افکار رکھنے والے اور ذات برادری سے تعلق رکھنے والے کو اس قدر عزت سے نوازنا گوتم کے برہمن زادہ ہونے کی روایت کے برعکس ہے۔ ان دونوں کرداروں کے درمیان قربانی کے فلسفے پر بھی مکالمہ ملتا ہے قربانی کا تصور کہاں سے جنم لیتا ہے اور قربانی کس کس چیز کی ضروری ہے یا قربانی کے تصورات بھی مابعدالطبیعاتی تصورات سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان سب سوالوں کے جواب فلسفہ تلاش کرتا ہے اور مذہبی بیانیوں میں رائج قربانی کا تصور بھی موجود ہے خاص طور پر مسلم اور ہندو اساطیر میں رائج شدہ قربانی کے تصورات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ مگر ناول میں مذہب کی روح سے قربانی کے فلسفے پر بات نہیں کی گئی بلکہ ایک خاص انداز میں قربانی کے تصور پر ایک مکالمہ جنم لیتا ہے۔ اور پھر اس کو تاریخ تہذیب اور فلسفیانہ تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل اقتباسات دیکھیے جو مکالمے سے شروع ہوتے ہیں:

"برہمن۔۔۔۔۔۔ ایک بات بتلاؤ۔

۔۔۔۔۔۔۔ماس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تم نے کبھی قربانی کے فلسفے پر غور کیا ہے؟

آج کل میں اسی پر غور کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ مگر کس طرح کی قربانی۔۔۔۔۔۔۔ جان کی۔۔۔۔۔۔ یا روح کی۔۔۔۔۔۔"(۱۳)

"آگ کا دریا" کے کردار وقت اور تاریخ کے فلسفے کو بخوبی سمجھتے ہیں اور وقت اور تاریخ کی دھاروں میں بہتے ہوئے ان افاقی سچائیوں سے اشنا ہیں کہ کیسے تاریخ اور وقت انسان پر ظلم کرتے ہیں اور انسان ان دونوں کے شکنجوں سے بھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ ناول کے کردار ازلی اور ابدی سچائیوں سے واقف ہیں۔ اور زندگی کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے ہوئے خالص فلسفیانہ گفتگو کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خیالات سے استفادہ کرتے ہیں۔ قربانی کے فلسفے کو بھی تاریخ کے تناظر میں رکھ کر دیتے ہیں کہ انسانوں نے ماس کھانے کی طرف توجہ کب کی۔ اور یہیں سے ہی قربانی کے تصور یا فلسفے نے کیسے جنم لیا اس کی توضیحات وہ کچھ یوں پیش کرتے ہیں۔

"جانوروں کو مارنا ہزاروں برس سے برہمنوں کا خاص مشغلہ رہا ہے۔ جب یہ آریہ مشرقی یورپ اور وسط ایشیا کی چراگاہوں میں گھومتے تھے۔ تب زندہ رہنے کے لیے اور گرم رہنے کے لیے درندوں کا شکار ان کے لیے ضروری تھا۔ اسی وجہ سے گنگا اور جمنا کے انتر ویدی علاقے میں آن بسنے کے بعد بھی ان کی معرفت اور ان کے فلسفے کے ارتقاء میں جانوروں کے خون بہانے کا بڑا دخل رہا۔ ان کی کوئی عبادت قربانی کے بغیر مکمل نہیں تھی۔ خود تخلیق کائنات مابعد الطبیعات کے نقطہ نظر سے ایک عظیم آفاقی قربانی تھی۔"(۱۴)

یہ وہ مرکزی بیانیہ ہے جو ناول کو فلسفے اور تاریخ کی حدود پر ملتا ہے اور مصنفہ کی امیق نظری مطالعہ اور مشاہدہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ناول کے کردار تخلیق کرتے ہوئے فلسفے کی تاریخ کا جس قدر پرزور مطالعہ کیا گیا ہے اور جس قدر عرق ریزی کے بعد ناول کے کرداروں کے مکالمے ترتیب دیے گئے ہیں۔ وہ مصنفہ کو فکشن نگار اور فلسفی کے طور پر متعارف کرواتے ہیں۔ یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مصنفہ کے اس شاہکار کو فلسفے کی مختصر تاریخ قرار دیا جائے یا پھر فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ناول ہی قرار دیا جائے۔ ماضی سے ڈرنے والا گوتم جن علوم کا مطالعہ کر چکا تھا وہ جس فلسفے سے واقف تھا اس کے مطابق کائنات کی تخلیق مادے سے ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود کئی سوالات اس کو پریشان کیے رکھتے تھے۔

انہی سوالات کے جوابات کی تگ ودو میں کبھی و فلسفے کی تاریخ میں سر کھپاتا تھا تو کبھی مذہبی کتابوں کی تاریخ کے اوراق پلٹتا تھا اور ان کی تاریخی اور مذہبی حیثیت کس طرح مسلم اور برقرار ناول نگار قاری کی توجہ اس جانب مبذول کرواتی ہیں۔

"پرانوں کی داستانیں اس نے پڑھ رکھی تھیں جن میں کائنات کی مادے سے تخلیق کا بیان تھا اور خداؤں اور فلسفیوں کے قصے اور شاہی خاندانوں کے نسب نامے، پراکرت کی تاریخوں پر ان قصوں کی بنیاد تھی جو صدیوں سے درباروں اور چوپائیوں میں داستان گو سناتے آرہے تھے۔"(۱۵)

مابعد الطبیعاتی تصورات اور عقائد کی بالادستی انسانی نفسیات کو کس قدر متاثر کرتی ہے اور تمام منطقی حوالوں اور بنیادوں پر حقائق کو جاننے کے بعد بھی لاشعوری طور پر انسان کی شخصیت کس طرح مابعد الطبیعات سے جڑی ہرتی ہے۔ اس کا اظہار پر ناول میں خوبصورت پیرائے میں

موجود ہے۔اور اساطیری حوالے کس قدر ٹھوس اور مضبوط وجود کے حامل ہوتے ہیں اس کا ادراک مہابھارت کے کرداروں کے بارے میں کی جانے والی گفتگو سے ہوتا ہے۔ناول نگار قاری کے سامنے گوتم کی زبانی اپنے فلسفیانہ خیالات کو پیش کر کے آگے بڑھ جاتی ہیں۔

''مہابھارت کے یہ سارے کردار جنگجو ہونے کے علاوہ فلسفی بھی تھے یہ روایتیں نہیں تھیں تاریکی شخصیتیں تھیں۔۔دیومالا بہر حال فلسفے کی ٹھوس شکل تھی اور روایت کا حال بن لیناذہن کے لیے بہر حال آسان ترین بات ہے۔''(۱٦)

نیکی اور بدی، خیر اور شر کے تصورات بھی فلسفے کی مبادیات کا اہم حصہ ہیں جن پر فلسفی غور وفکر کرتے ہیں۔گوتم بھی جہاں اور بہت سارے معاملات کی تفہیم میں الجھا ہوا تھا۔وہاں وہ ان تصورات پر بھی سوچتا تھا اور اس کے ہاں سب کچھ جاننے کی جستجو کبھی اس کو تیاگ کے فلسفے کی طرف لے جاتی تھی۔تو کبھی وہ دیوتاؤں اور فطرت کے عظیم الشان نظام کو سمجھنے کی سعی کرتا تھا اور ایک سوال سے جڑے متعدد سوالات اس کے گرد گھومتے تھے۔

''انہوں نے فطرت کے اس عظیم الشان ناٹک کو اتنے بہت سے حصوں میں منقسم کر دیا ہے ان کو کھوج لگی ہے، یہ سب کیوں ہے؟اس کا مصنف کون ہے؟اداکار کون؟تماشائی کون؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''(۱۷)

یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات کی بھرمار (جو خالص فلسفے کا موضوع ہیں) ناول میں موجود گوتم کے کردار کے ہاں ملتی ہے۔طاقت اور موت کا تصور بھی اس کو پریشان کیے رکھتا ہے۔موت جو کہ وقت کی طرح ایک اور عالمگیر سچائی ہے مگر کوئی اس کا جواب تلاش نہیں کر پایا کہ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے زندگی اور موت کا قاعدہ کئی عقائد کے مطابق خدا کے ہاتھ میں ہے گوتم اس قانون پر بھی سوال اٹھاتا ہے۔

''وہ کون چیز ہے جو انسان سے اس کے موت کے گھنٹے میں جدا نہیں ہوتی؟مرنے کے بعد انسان کا کیا ہوتا ہے؟راجہ پرکشت کی نسل کہاں گئی؟وہ کون ہے جو ہر شے پر قادر ہے لیکن ہر شے سے علیحدہ ہے؟''(۱۸)

خدا کا تصور اور خدا کے وجود کے متعلق سوالات، مباحث فلسفے کی روایت کا حصہ ہیں اور نہ صرف فلسفہ ہنود میں اس تصور کو زیر بحث لایا گیا بلکہ فلسفہ یونان مسلم فلاسفر اور مغربی فلاسفروں کے ہاں بھی یہ تصورات اسی طور سے زیر بحث رہے ہیں اردو شاعری میں بھی اس موضوع کو متعدد سطحوں اور مختلف زمانوں میں بخوبی برتا گیا۔زیر نظر ناول میں بھی اس حوالے سے مباحثہ ملتا ہے۔

مختلف علوم وفنون فلسفے سے اپنی غذا کیسے حاصل کرتے ہیں اس کی مثال آگ کا دریا کی صورت میں سامنے آتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ناول میں بھی اس کا اظہار ملتا ہے کہ موسیقی جیسے فنون بھی فلسفے سے اپنی غذا لیتے ہیں۔فلسفہ جسے تمام علوم کی ماں کہا جاتا ہے اس کی اصل تعریف کا اطلاق دیکھئے:

''سرجو ذات مطلق ہے جو ہمیشہ سے تھا۔۔۔ہے۔۔۔اور رہے گا۔سنگیت کار کے فن میں فلسفے، رنگ ونور خیال اور جذبات کا دھارا اکٹھا بہہ رہا ہے۔''(۱۹)

گوتم کے خیالات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ زمانے کا چال چلن بھی تبدیل ہو رہا تھا۔ جہاں ذہن، عقل، منطق کی بنیادوں پر مسائل کے حل تلاش کرنے کی جستجو جاری تھی۔ وقت کس طرح کروٹ لے رہا تھا اور وقت کے مطابق معاشرے میں جو ذہنی اور فکری سطح پر تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اس میں بہت کچھ فلسفیانہ خیالات کا عمل دخل تھا اور مذہب کی وہ برتری برقرار نہ تھی جو اس سے پہلے دور میں موجود تھی۔ مصنفہ/ناول نگار قدیم عہد کی جدید کی طرف منتقلی کے منظر نامے کو پیش کرتی ہیں جو روایات سے ہٹ کر ایک اور نہج پر فکری صلاحیتوں کا استعمال کرنا ضروری خیال کرنے لگا تھا۔

''انسانی دماغ دیومالا کی تخلیق مدتیں ہوئیں کر کے ختم کر چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دماغ اب دقیق مسئلوں کا حل تلاش کرنے میں مصروف تھا مذہب اب محض کمتر درج کا علم سمجھا جاتا تھا۔ اصل چیز فلسفہ تھا اور مابعد الطبیعات سارے ملک میں خیالات کی فرمانروائی تھی اور آزادیٔ افکار اور مذہبی رواداری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مادہ پرست، ثنویت کے قائل، ملحد۔۔۔'' (۲۰)

وحت اور کثرت کا مسئلہ بھی فلسفے کے اصول اور روایت میں زیر بحث رہا اور یہیں سے ہی ثنویت یعنی Dualism کی اصطلاح فلسفے میں متعارف ہوتی ہے جسے بعض فلاسفر دوئی کا فلسفہ بھی قرار دیتے ہیں۔ مگر اُردو ویکیپیڈیا کے مطابق:

''ثنویت Dualism فلسفے کی ایک اصطلاح جسے پہلی بار تھامس ہائیڈ نے اپنی کتاب ''تاریخ مذہب'' میں استعمال کیا اس سے مراد اس نے مذہب کی خیر و شر کی ثنویت لی تھی۔'' (۲۱)

مذکورہ ناول میں بھی دوئی کے تصورات کو ملحد کپل کے خیالات کی صورت میں موضوع بتایا گیا ہے اور کپل کے خیالات گوتم کے ذہن کے نہاں خانوں میں چھپے علم کے توسط سے ہی قاری کے سامنے آتے ہیں۔ حکیم کپل جس کو ملحد کا درجہ دیا گیا تھا اس کے خیالات اور افکار پر گوتم غور و فکر کرتا ہے اور اس کے مطابق خدا کا تصور کسی بھی ذرائع یا شہادت سے ثابت نہیں ہوتا تھا۔ تصوراتی خدا کے حوالے سے کپل کے خیالات ناول میں کچھ یوں موجود ہیں:

''چونکہ ادراک، استنباط اور لفظ کی شہادت میں سے کوئی چیز بھی خدا کے وجود کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکی تھی لہٰذا کپل نے بڑی دلیری سے ایشور کی بجائے ان ایشور پر زیادہ توجہ دی تھی منطقی کی حیثیت سے وہ خدا سے منکر ہونے کے بجائے محض اس پر مطمئن رہا کہ شہادت کے عام ذرائع سے خدا کے وجود کو ثابت نہیں کر سکتا گو اس قدر روادار تھا کہ عوام کے دیوتاؤں نیتو اور وشنو تک کو گوارا کر لیتا تھا کہ ممکن ہے وہ موجود ہی ہوں لیکن اس کے نزدیک یہ محض تخلیق شدہ دینوی خدا تھے۔'' (۲۲)

ادراک اور الہام میں کشمکش اور تضاد بھی فلسفہ کا اہم حصہ ہے اور اس بحث سے کئی تصورات بھی جنم لیتے ہیں اسی طرح کرم کا فلسفہ بھی فلسفہ ہنود میں زیر بحث آتا ہے۔ جس کا اظہار ناول میں براہ راست ملتا ہے ناول کی کہانی جب عہد جدید میں داخل ہوتی ہے۔ تب بھی خدا کو مخاطب کرنے کا انداز نمایاں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مناظرہ کی اصطلاحات اور مفاہیم کا بیان بھی موجود ہے۔ مگر یہاں گوتم کی بجائے کمال فلسفے کا طالب علم ہے اور کمال کے کردار کے ذریعے مسلم فلاسفر موضوع بنتا ہے یوں ایک اور خطے کے فلسفے کی روایت ناول کا اہم موضوع بن کر

ابھرتی ہے۔ کمال اپنے نام کی طرح ہی مسلم فلاسفروں کو پڑھنے والا اور ان کے خیالات کو برتنے والا فلسفے کا طالب علم نظر آتا ہے جو ابن خلدون کو اپنا حقیقی استاد یا گرو سمجھتا ہے۔ یہاں بھی مذہبی انتہا پسندی، جنونیت، خدا اور کائنات کا تصور، نجات کا تصور، ازلی محبت کے تصورات، اہم اور غیر اہم ہونے کا فلسفہ براہ راست موضوع بنتے ہیں۔ وجود کی حقیقت سے دوچار یہاں بھی فلسفے کے طالب علم انہی سوالات کے جوابات کی تلاش میں گھومتے پھرتے ہیں جیسا کہ قدیم عہد میں گوتم اور ہری شنکر جیسے کردار موجود تھے۔ وقت، مذہب، طاقت، ریاست تمام تصورات یہاں بھی موضوع بنتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ناول میں موجود یہ دو ابتدائی عہد فلسفے اور اس کے مباحث کو براہ راست موضوع بناتے ہیں اور یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا دریا فکشن ہونے کے ساتھ ساتھ ناول کی صنف میں کھڑا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط اور مربوط فلسفیانہ روایت کا واضح عکس ہے۔ جہاں فلسفے کی تاریخ اور خاص طور پر دو خطوں کے فلسفے کی ابتدائی تاریخ (جن میں فلسفہ ہنود اور مسلم فلسفہ شامل ہے) براہ راست موضوع بنتی ہے اور فکشن کا یہ شاہکار مختصر فلسفے کی تاریخ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فلسفے سے وابستہ کم و بیش تمام افکار اور تصورات ناول کا اہم موضوع ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر، سنگ میل پبلکیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۰

۲۔ ایضاً، ص ۱۱

۳۔ ایضاً، ص ۱۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۳

۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۴

۸۔ ایضاً، ص ۱۴،۱۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۷۔ ایضاً، ص۳۹

۱۸۔ ایضاً، ص۴۰

۱۹۔ ایضاً، ص۴۴

۲۰۔ ایضاً، ص۴۵

۲۱۔ اردو ویکیپیڈیا ur.wikipedia.org/wiki

۲۲۔ آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر، ص۴۵

References

1. Aag Ka Darya, Quratul Ain Haider, Sang Mile Publications, 2018, p. 10
2. Ibid., p. 11
3. Ibid., p. 11
4. Ibid., p. 12
5. Ibid., p. 13
6. Ibid., p. 13
7. Ibid., p. 14
8. Ibid., p. 14, 15
9. Ibid., p. 16
10. Ibid., p. 16
11. Ibid., p. 23
12. Ibid., p. 24
13. Ibid., p. 30
14. Ibid., p. 31
15. Ibid., p. 32
16. Ibid., p. 36
17. Ibid., p. 39
18. Ibid., p. 40
19. Ibid., p. 44
20. Ibid., p. 45
21. Urdu Wikipedia ur.wikipedia.org/wiki
22. Aag Ka Darya, Quratul Ain Haider, p. 45